جناب وحید عشرت

خلیفہ عبدالحکیم کا عمرانی فلسفہ

برعظیم پاک و ہند میں خصوصاً اور عالم اسلام میں عموماً علامہ سر محمد اقبالؒ اوّلین مفکر ہیں جنھوں نے صدیوں بعد پہلی مرتبہ اسلامی الٰہیات کے مسائل کو عہدِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی سنجیدہ کوشش کی۔ علامہ نے اپنے الہامی اشعار کے ذریعہ مسلمانوں میں اسلامی روح بیدار کی اور "تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" لکھ کر اسلامی دنیا کے مسائل کو فلسفیانہ غور و فکر کا محور بنایا۔ انھوں نے جدید فلسفہ، جدید طبعیات اور جدید حیاتیات کی روشنی میں اسلامی معتقدات کی سائنسی اور علمی تعبیرات کیں اور اس طرح سے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے وہ فکری اساس مہیا کر دی جو کہ وقت کا سب سے اہم تقاضا تھی۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کی سیاسی آزادی، معاشی فارغ البالی اور اسلامی تشخص کو مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے اساسی اجزائے ترکیبی قرار دیا۔ علامہ اقبال عصرِ جدید کی روح سے کماحقہٗ باخبر تھے۔ چنانچہ انھوں نے ایک طرف تو مسلمانوں کو برعظیم میں اپنا علیحدہ وطن حاصل کرنے اور ہندوؤں کے تسلط سے محفوظ رہنے کے لیے پاکستان کے قیام پر زور دیا اور دوسرے یہ کہ انھوں نے مسلمانوں کو اپنی تہذیب، اپنے مذہب اور اپنے انفرادی تشخص سے بہرہ ور ہونے کی تلقین کی۔ تیسرے یہ کہ انھوں نے عصرِ جدید کے طبیعی اور عمرانی علوم کے مطالعہ کو اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے لازمی قرار دیا۔ وہ اس بات کا احساس رکھتے تھے کہ انھوں نے اسلامی الٰہیات کی جو تشکیل و تعبیر کی ہے وہ نئے دور کی نت نئی تحقیقات و تخلیقات کی وجہ سے تغیرات کی طلب گار ہوں گی۔ لٰہذا انھوں نے اسلامی الٰہیات سے متعلق اپنی تعبیرات کو کبھی حتمی تصور نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ مسلمانوں کو اسلامی الٰہیات کی تجدید اور تشکیل و تعبیرِ نو کی کوششیں جاری رکھنی چاہییں۔ چنانچہ اپنی کتاب تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کے دیباچہ میں بھی انھوں نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کے سوا کسی نے اس میدان میں قدم نہیں رکھا، حالانکہ

پاکستانی معاشرہ کی یہ ایک نہایت اہم ضرورت تھی۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے مسلمانوں نے بہت طویل اور شدید جدوجہد کی اور رفتہ رفتہ یہ تحریک پورے عالمِ اسلام پر محیط ہو گئی۔ اس کے مؤسس محمد بن عبدالوہاب اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تھے۔ اس تحریک کو سید جمال الدین افغانی، شیخ محمد بن علی السنوسی، مفتی محمد عبدہٗ سید رشید رضا، سعید حلیم پاشا، سید احمد خاں، سید امیر علی، حاجی عمر سعید، شیخ حسن البنا اور علامہ اقبال جیسے عظیم رہنماؤں نے بہت فروغ دیا۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم بھی اس سے بہت متاثر تھے۔ اس تحریک کی روح مسلمانوں کو اسلام کی طرف راغب کرنا اور ان کو تاریخی اور تہذیبی روایات و میراث سے وابستہ رکھتے ہوئے انھیں عہدِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ہے۔

اس تحریک میں دو طرح کی کوششیں شامل ہیں۔ ایک گروہ مساعی جو خالص مذہبی بنیادوں پر ہوئیں۔ ان میں جامع ازہر، مدرسہ دیوبند، جمعیت محمدیہ، اخوان المسلمون اور پاکستان کے اسلامی اداروں اور تحریکوں کے علما و زعما کی مساعی کا بہت اہم حصہ ہے اور دوسرے فلسفیانہ انداز سے مسائل کا تجزیہ کرنے اور حالات کا جائزہ لینے کی جدوجہد۔ اس نوعیت کی اوّلین کوشش خود حکیم الامت علامہ اقبال نے "تشکیل جدید الٰہیات اسلامی" لکھ کر کی ہے۔ یہ کتاب ایک ایسے دور میں لکھی گئی تھی جب مسلمانوں کو آزادی کی نعمت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ اس کے موضوعات زیادہ تر مابعد الطبعیاتی تھے۔ علّامہ اقبال کے شیدائی خلیفہ عبدالحکیم نے آزادی ملنے کے بعد لکھا اور مسلمانوں کی نئی مملکت کو درپیش مسائل کا علمی نقطۂ نظر سے مشاہدہ اور تجزیہ کرتے ہوئے اس کے لیے راہِ عمل متعین کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ خلیفہ حکیم کے موضوعات میں زندگی کے بعض ایسے مسائل شامل ہیں جو عملی اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں، اور جن مابعد الطبعیاتی یا مذہبی تصورات پر گفتگو کی گئی ہے وہ ایسے ہیں جن کا عملی زندگی سے قریبی تعلق ہے۔

خلیفہ عبدالحکیم کے افکار کا تعلق ہمارے معاشرے سے ہے اور عمرانی زندگی سے تعلق رکھنے والے یہی نظریات ان کے عمرانی فلسفہ کی تشکیل کرتے ہیں۔ خلیفہ حکیم کے ہاں معاشرہ کے آغاز یا اس میں جاری و ساری اصولوں کے بارے میں ہابس، لاک، روسو یا ہیگل اور مارکس کی طرح کا نظام موجود نہیں ہے۔ انھوں نے معاشرہ کی ایسی نفسیاتی تعبیر بھی نہیں کی جیسی کہ میکڈوگل یا فرائڈ کے ہاں ملتی

ہے اور نہ وہ سماج کی تشکیل کے بارے میں کسی معاہدہ عمرانی کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے ہاں نظام بندی نہیں ہے بلکہ ایک نقطۂ نظر اور ایک اندازِ فکر ہے جس کے تحت وہ عملی زندگی کے مسائل کو ایک مملکت کی ضروریات اور اس کے باشندوں کی عملی رہنمائی کے لیے اس کے مخصوص تہذیبی پس منظر اور عہدِ جدید کے تقاضوں کی روشنی میں فلسفیانہ بصیرت کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

خلیفہ عبدالحکیم کے سامنے ایک ٹھوس حقیقت تھی اور وہ ایک نوزائیدہ مملکت کے باشندوں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک ایسا نقطۂ نظر اختیار کرنا چاہتے تھے جو عملی ہو۔ یہی نقطۂ نظر ان کے عمرانی فلسفہ کی اساس ہے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق وہ عہدِ جدید میں رونما ہونے والے معاشرتی، سائنسی، اخلاقی اور فطری تغیرات کو اپنے معاشرہ کے اعتقادات و روایات سے ہم آہنگ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے عمرانی فلسفہ کی تشکیل میں اپنے ماضی سے رشتہ استوار رکھتے ہوئے اپنے معاشرہ کو ترقی اور تغیر کی طرف بڑھانا چاہتے تھے۔ وہ معاشرہ کی اساس کو مستحکم اخلاقی اور عمرانی قدروں کے ذریعے مضبوط کرنا اور ان کی روشنی میں مختلف عمرانی رشتوں کو فرد اور جماعت کے مابین مستحکم بنانا چاہتے تھے۔ خلیفہ حکیم مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے علامہ اقبال کے اس نظریہ سے کاملاً متفق تھے کہ عہدِ حاضر کے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی حیثیت کا بخوبی اندازہ کرے۔ اساسی اصولوں کی روشنی میں اپنی معاشرتی زندگی کی اصلاح کرے اور اسلام کے اس وقت تک منکشف شدہ مقاصد سے یہ استنباط کرے کہ روحانی جمہوریت کا قیام اسلام کا نصب العین ہے[1]

عمرانی فلسفہ کی تدوین کے بارے میں خلیفہ حکیم کا نقطۂ نظر خالص علمی اور فلسفیانہ تھا۔ وہ پاکستان کے باشندوں کے لیے عمرانی فلسفہ کو متشکل کرتے ہوئے ان کے ماضی کی تہذیبی اور معاشرتی روایات کو ملحوظ رکھنا لابدی سمجھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اہلِ پاکستان کی دینی اور معاشرتی روایات کو اپنے عمرانی فلسفہ میں اساسی نظریہ قرار دیا۔ اور اس سے مسائلِ عمرانی حل کرنے میں گہری بصیرت کا ثبوت دیا۔ خلیفہ حکیم نے اپنے عمرانی فلسفہ کے اجزائے ترکیبی میں اسلام کے پہلو بہ پہلو عہدِ جدید کے تغیر پذیر حالات اور عصرِ حاضر میں ہونے والے سماجی، سائنسی، اخلاقی اور فطری تغیرات کو ملحوظ رکھا اور اسلام

---

[1] اسلام کا نظریۂ حیات، تجدیدِ احیا، ص ۳۴۳ ۔

کی روشنی میں ان کے تجزیہ اور تطبیق کے بعد انھیں قبول کیا۔ چنانچہ خلیفہ حکیم کا عمرانی فلسفہ اپنے ماضی سے رشتہ استوار رکھتے ہوئے ترقی اور تغیر کے جدید تقاضوں پر پورا اترتا ہے۔

خلیفہ حکیم نے پاکستان میں عمرانی مسائل کا مطالعہ اور تجزیہ خالص علمی اور فلسفیانہ انداز میں کیا۔ انھوں نے جدید سائنس سے حاصل شدہ بصیرت سے بھی اپنے عمرانی فلسفہ کی تدوین میں استفادہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے ضبطِ ولادت، آزادیٔ نسواں، تعلیم نسواں اور جمہوریت جیسے جدید مسائل کو روحانی تعبیر کے ساتھ قبول کیا جو ملائیت اور مغربی جمہوریت سے مختلف ہے۔ یہ جمہوریت کلیسائیت سے پاک، عدل و مساوات پر مبنی اشتراکی جمہوریت ہوگی جس میں خدا مقتدرِ اعلیٰ ہوگا اور مملکت اپنا اقتدار خدا ہی سے حاصل کرے گی۔ خلیفہ حکیم کے عمرانی فلسفہ کی رو سے قوم کی معاشیات کا انضباط سرمایہ داری اور غیر کمائی ہوئی آمدنی کی حوصلہ شکنی پر ہوگا۔ سرمایہ کے ارتکاز کی ہر صورت اور استحصال کی ہر نوعیت ختم کر دی جائے گی۔ مملکت کا مقصد باشندوں کی فلاح و بہبود ہوگا اور حکومت کی نوعیت محض انتظامی ہوگی۔ عورت اور مرد کے حقوق میں یکسانی ہوگی اور نکاح کی حیثیت محض ایک معاہدہ کی ہوگی[۳۵]

خلیفہ عبدالحکیم اسلام کی ابدی اور ازلی حقانیت پر شرح صدر سے ایمان رکھتے تھے۔ ان کا ایمان گہرے تفکر اور سچی بصیرت پر مبنی تھا۔ ان کے عمرانی فلسفہ کی اساس عقیدۂ توحید پر ہے۔ وہ خدا کو ایک ہمہ دان اور ہمہ توان ہستی مانتے ہیں جو اپنی صفات اور ذات کے اعتبار سے کائنات کی حاکمِ مطلق ہے۔ وہ اپنی صفات کے لحاظ سے رحمان و رحیم اور کائنات کا رب ہے۔ لہٰذا وہی معبود اور حاکم ہے۔ خلیفہ حکیم "اسلام کا نظریۂ حیات" میں رقم طراز ہیں کہ "اسلام کا دعویٰ ہے کہ انسان نے مذہب کی بنیادی صداقت تک رسائی حاصل کر لی ہے اور وہ یہ کہ خدا کی ہستی ہے جو خالق، پرورش کنندہ اور مہربان ہے۔" خلیفہ حکیم ایمان کا لازمہ، رسولؐ کی طاعت اور نبوت کے اثبات کو قرار دیتے ہیں۔

خلیفہ صاحب تاریخ کے ہیگلی و مارکسی نظریات کو قبول نہیں کرتے۔ تاریخ کی شالیاتی جدلیاتی

---

۳۵ اسلام کا نظریۂ حیات، اسلامی مملکت کے اساسی تصورات، ص ۳۱۵

اور مادّی جدلیاتی تعبیر کے بجائے ان کے عمرانی فلسفہ کی اساس اس نظریۂ تاریخ پر ہے کہ قوموں کا عروج و زوال قوم کے اعتقادات اور سیرتوں میں تبدیلیوں کے سبب ہوتا ہے اور اسلام اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ بصیرت کی محرومی کے باعث قومیں تباہ ہوجاتی ہیں۔ قرآن پاک کی رُو سے حقیقی انقلاب کسی قوم کی زندگی میں اس وقت تک واقع نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے اخلاقی اور ذہنی نقطۂ نگاہ میں بھی تبدیلی نہ ہو[۵۳]

خلیفہ حکیم کی تعبیرِ تاریخ بھی جدلیاتی ہے مگر وہ تاریخی عمل کے تغیر کی بنا مادّی یا مثالیاتی نہیں سمجھتے بلکہ جیساکہ پروفیسر ایم ایم شریف نے اپنی مرتبہ کتاب "تاریخ فلسفہ اسلام" میں لکھا ہے، تاریخ میں جدلیات مادّی نہیں بلکہ مقصدی ہوتی ہے۔ یعنی ایک مقصد یا نقطۂ نظر اپنے بطون سے دوسرے کو جنم دیتا ہے۔ ایک مقصد دوسرے کی تخلیق کرتا ہے اور دونوں کے ادغام یا تصادم سے تیسرا نقطۂ نظر یا مقصد وجود میں آتا ہے اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ خلیفہ حکیم جس اخلاقی اور ذہنی نقطۂ نگاہ کی تبدیلی کا ذکر کرتے ہیں، وہ اسی مقصدی جدلیات عمل کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو عمرانی اور سماجی تغیرات کا سبب بنتا ہے۔

خلیفہ حکیم اسلام کا موازنہ دیگر عمرانی فلسفوں سے کرتے ہوئے اسلام کو مکمل اور اکمل صداقت قرار دیتے ہیں اور دیگر نظام ہائے فکر کو جزوی صداقتوں کے حامل کہتے ہیں۔ وہ ان تمام نظام ہائے فکر کی صداقتوں کو اسلام کے مطابق سمجھتے ہیں اور ان میں جو برائیاں ہیں ان کی بنا پر انھیں رد کر دیتے ہیں۔ سرمایہ داری نظام کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اصولِ عدم مداخلت پر مبنی سرمایہ داری نے مجرد حریت اور مساوات کی تبلیغ کی مگر مملکت تنازع للبقا میں غیر جانبدار رہ کر اس کا تدارک نہ کر سکی کہ ظالمانہ عدم مساوات سر نہ اٹھانے پائے۔ معاشرہ کو جاگیری اور شخصی حکومتوں کے ظلم و زیادتیوں سے آزادی دلاکر اس نے ایک قسم کی زر خرید غلامی کی ترویج کی۔ آزادانہ معاہدہ اور آزاد رائے کا حق بے سود ثابت ہوا اور سیاسی جمہوریت معاشی غلامی کے ساتھ متحد ہوگئی۔"

۵۳۔ اسلام کا نظریۂ حیات، ص ۳۰۸

اشتراکیت پر خلیفہ حکیم کا پہلا اعتراض ان کے فلسفۂ تاریخ کی بنا پر ہے۔ وہ اسلام اور اشتراکیت کے فلسفہ ہائے تاریخ کو مختلف قرار دیتے ہیں۔ دوسرا اعتراض اس کے الحاد پر ہے۔ کیونکہ ایک اشتراکی کائنات کو بے بصر میکانکی قوتوں کی کارفرمائی اور مادہ پرستانہ جدلیات کے تابع تصور کرتا ہے۔ تیسرا اعتراض فرد دشمنی کے اشتراکی رویہ پر ہے۔ خلیفہ حکیم غیر طبقاتی معاشرہ کے قیام کو ایک مابعد الطبیعاتی خواہش قرار دیتے ہیں خصوصاً جبکہ مملکت کا وجود بھی ختم کر دیا جائے۔ خلیفہ صاحب مادی جدلیاتی عمل کے تواتر کو غیر طبقاتی معاشرے کے قیام تک محدود قرار نہیں دیتے بلکہ وہ اسے غیر محدود سمجھتے ہیں۔ وہ مارکسی نظریہ کے تاریخی مادی جدلیاتی عمل کی جبریت کے بھی قائل نہیں تھے۔ ان کے نزدیک خود اشتراکی بھی تاریخی عمل کی جبریت کے قائل نہیں کیونکہ وہ تاریخی جبریت پر انحصار کرنے کی بجائے محاربوں کو وجود میں لاتے ہیں۔ خلیفہ حکیم معاشرے کی طبقاتی تقسیم کے بھی خلاف تھے۔ چنانچہ انھوں نے عہد جدید کے سرمایہ دارانہ اور اشتراکی دونوں عمرانی رویوں کو رد کر دیا۔ کیونکہ یہ دونوں نظریے خدا پرست نہیں ہیں اور ان کے عمرانی فلسفوں میں انسان کے روحانی، عمرانی، اخلاقی، سیاسی اور تہذیبی تقاضوں کو فراموش کر دیا گیا ہے۔

خلیفہ حکیم اسلام کو ایک ایسا نظام قرار دیتے ہیں جو مسلمانوں کے روحانی، اخلاقی، سیاسی اور معاشی مسائل کا منضبط حل پیش کرتا ہے۔ عہدِ جدید کی عمرانی زندگی میں معاشیات کو جو اہمیت حاصل ہے اس کے پیش نظر خلیفہ صاحب اسلام کے معاشی نظام کو انسانی تقاضوں کے عین مطابق قرار دیتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب اسلام کا نظریۂ حیات میں لکھتے ہیں کہ اسلام نے پیدائش و تقسیم دولت کے انتظام کی ذمہ داری حکومت پر عائد کی تھی اور اسلامی حکومت کو ہمہ گیری نظام اختیار کیے بغیر اس کام کے کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ قانون سازی کا اہم مسئلہ حکومت کی مداخلت اور فرد کی آزادی دونوں کے حدود کا تعین کرتا ہے۔ خلیفہ حکیم کے نزدیک نظامِ زکوٰۃ ہمارے معاشی مسائل کو حل کر دیتا ہے کیونکہ زکوٰۃ ایک ایسا محصول ہے جو سرمایہ کو متحرک کرتا اور اسے معاشرے کے تمام طبقات کے لیے ثمر آور بناتا ہے۔ اسلام کی رو سے جمع شدہ فاضل دولت اخلاقی اور معاشی مضرت کا موجب ہوتی ہے اور پورے معاشی نظام کو فاسد کر دیتی ہے۔ چنانچہ اسلامی نظام میں اس سرمایہ پر جو بیکار پڑا ہو، زکوٰۃ عاید کی گئی ہے۔ اسلام پیدائش دولت اور تجارت کو فروغ

دینے کا خواہاں ہے اور یہ چیز اکتناز کے خلاف اس کے تمام سخت احکام کی تشریح کرتی ہے۔ اندوختہ دولت کا ایک حصہ حکومت لے لیتی ہے اور اسے اجتماعی فلاح و بہبود، خاص کر غریب طبقوں کو مدد دینے میں خرچ کرتی ہے۔

عہدِ جدید میں اقوام جس طرح متحد ہو رہی ہیں، ایک عالمگیر ضابطۂ اخلاق مرتب کرنے کی طرف مائل ہیں اور آپس میں گھل مل کر ایک عالمی نظام کی تدوین کرتی چلی جا رہی ہیں، خلیفہ حکیم کے عمرانی فلسفہ میں اس کے لیے بھی گنجائش موجود ہے۔ وہ اقوام کے عالم گیر اتحاد اور ایک عالمی ضابطۂ اخلاق مرتب کرنے کے لیے اس امر پر زور دیتے ہیں کہ تمام خدایانِ مکر و زور تخت سے اتار دیئے جائیں اور ایک غیر مرئی قادرِ مطلق اور پرورش کنندہ ہستی کی پرستش کے لیے میدان ہموار کیا جائے۔ خدا اور انسان کے درمیان حائل پردے ہٹا دیئے جائیں۔ انسان کی عالمگیر اخوت جو ذات پات و رنگ و خون کے امتیازات سے ماورا ہے اس کے حصول کی کوشش کی جائے۔ تمام اقتصادی ناانصافیوں کی راہیں مسدود کر دی جائیں اور معاشری عدل و مساوات قائم کی جائے۔ جو لوگ لذائذ دنیوی سے سرفراز ہیں وہ اپنی زائد از ضرورت دولت سے ان کے حق میں دست بردار ہو جائیں جو تہی دست ہیں۔ انسانی اختلافات کو دور کر کے انسانیت کو اس طرح جوڑا جائے کہ وہ اتحاد کا ایک نمونہ بن جائے۔ آقا و خادم، آجر و اجیر، مرد اور عورت میں باہم انصاف قائم کیا جائے۔ طاقت ور کے ظلم و زیادتی سے کمزور کی حفاظت کی جائے۔ ضمیر و عبادت کی ایسی آزادی جس نے افتراق انگیز صورت اختیار نہ کی ہو، اس کا تحفظ کیا جائے۔ خلیفہ حکیم کی نظر میں دنیا صرف اسی وقت جنت کا نمونہ بن سکتی ہے جب دنیا سے ہر قسم کے سیاسی، معاشری، معاشی اور ذہنی استحصال کو ختم کر دیا جائے اور انسان اپنے تعلقات بحیثیت فرد اور جماعت عدل و انصاف کے ان اصولوں پر قائم اور استوار کرے جو قرآن کے ابدی اصولوں کی صورت میں موجود ہیں، جو فطری اصول ہیں اور جن کی طرف انسان فطری اور لاشعوری طور پر گامزن ہو رہا ہے۔

خلیفہ حکیم کے اس عمرانی فلسفہ کو ہم خود ان کے الفاظ میں "اسلامی سوشلزم" کہہ سکتے ہیں۔ ان دو الفاظ میں پہلا لفظ اسلامی اس تاریخی توارث کا غماز ہے جس کے ہم حامل ہیں، جسے ہم کسی قیمت پر ترک نہیں کر سکتے، جو ہمارے معاشرہ کی روح ہے اور اس کو خدا پرست بناتا ہے اور دوسرا لفظ سوشلزم عہدِ جدید کے اس معاشی اور سیاسی رجحان کو ظاہر کرتا ہے جس سے کسی قوم کا ہمہ جہتی ارتقا اور ترقی وابستہ ہے۔